مصنف : سید غلام رضا سعیدی

مترجم : ڈاکٹر محمد ریاض

5

شخصیتِ اقبالؒ کے چند پہلو

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے ایک مقالے کے فارسی ترجمے کا مقدمہ

اکتوبر ۱۹۶۰ء کے مجلہ اقبال ریویو، کراچی میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم نے انگریزی میں فلسفۂ اقبال پر ایک مقالہ لکھا تھا۔ سید غلام رضا سعیدی نے اُسے فارسی میں منتقل کیا، اور اس پر ایک مبسوط مقدمہ بھی لکھا۔ اندیشہ ہائے اسلامی اقبال، جسے موسسۂ مطبوعاتی دین و دانش نے ۱۹۶۸ء میں قم سے شائع کیا، اسی ترجمے اور مقدمے پر مشتمل ہے۔ مقدمے میں چونکہ چند دل لگتی باتیں لکھی گئی ہیں، اس لیے اُسے اردو میں منتقل کیا جا رہا ہے۔

مصنف اقبال کے جملہ آثار سے آگاہ ہیں۔ انہوں نے اردو کتابیں بھی پڑھ رکھی ہیں۔ ۱۹۵۹ء میں انہوں نے اقبال شناسی، نام کی ایک کتاب لکھی تھی۔ ان کی دیگر کتابوں جیسے 'پیمان جوانمردان' اور 'محمدؐ خاتم پیغامبران'، جو دو جلدوں میں ہے، میں بھی اقبال کے اقتباسات دیکھے جا سکتے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء کے مجلہ اقبال ریویو میں پروفیسر خورشید احمد نے 'اقبال اور اسلامی تعلیمی نظریات' کے عنوان سے جو مقالہ لکھا تھا، اُسے بھی انہوں نے فارسی میں ترجمہ کر کے ۱۹۶۶ء میں ماہنامہ آموزش و پرورش تہران کے تین شماروں میں شائع کروایا ہے۔ ۱۹۶۹ء میں ادارہ حسینیہ ارشاد تہران نے 'یوم اقبال' منایا تھا، اور اس تقریب میں پڑھے جانے والے مقالے 'علامہ اقبال' کے عنوان سے ۱۹۷۳ء میں یہاں شائع ہو گئے ہیں اس مجموعے میں 'سید غلام رضا سعیدی کا مقالہ 'مومن اقبال' دیکھا جا سکتا ہے۔ بہر حال مقدمہ نگار، ایک اقبال شناس بلکہ عاشقِ اقبال ہیں۔ اس مقدمے میں انہوں نے اقبال کے اُردو یا فارسی اشعار نقل کرنے کے بجائے، بیشتر ان اشعار کی توضیحی نثر لکھی اور سادہ زبان میں تفہیمِ اقبال کی کوشش فرمائی ہے۔ ہم نے یہ ترجمہ کیا اور اشارہ شدہ اشعار کو حواشی کی صورت میں آخر میں لکھ دیا ہے۔

جملہ معترضہ کے طور پر لکھ دیں کہ سید غلام رضا سعیدی نے پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناحؒ پر کتابیں لکھیں اور ترجمہ کی ہیں۔ وہ پاکستان آچکے ہیں اور از کراچی تا مظفر آباد ہر جگہ گئے تھے۔ مترجم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

6

عظیم اسلامی مفکّر، ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی شخصیّت

شخصیت کی توضیح و تشریح کرنا علم نفسیات سے مربوط ہے، اور یہ بڑا مشکل کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلمہ 'شخصیت' کی متعدد تعریفات ملتی ہیں اور اس کے مباحث کا تو اور ہی عالم ہے۔ بہرحال شخصیت کی سادہ تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ، ہر شخص کی مجموعی فکری، اخلاقی، ذوقی، ہنری اور علمی زندگی کا نام شخصیت ہے، مگر آدمی جب کسی معاشرے میں نمایاں ترقی کرے اور صاحبِ عظمت بنے، تو اس کی شخصیّت کا ادراک مشکل تر ہو جاتا ہے۔ پھر کسی کی شخصیت میں اگر فلسفہ، شعر اور سیاست کی جہات آجائیں اور وہ شہرتِ جاوید حاصل کرلے، تو اس کی تفہیم مزید مشکلات سے دوچار کرے گی۔ مگر ہمارا واسطہ ایک ایسی ہی شخصیت سے ہے۔ ہم عالمِ اسلام کے ایک عظیم مفکّر اور شاعر ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے بارے میں لکھ رہے ہیں۔ سیاست میں مغفور کا یہ مقام ہے کہ پاکستان بننے سے سترہ سال قبل انہوں نے اس کا تصور پیش کیا تھا جسے قائداعظم محمد علی جناحؒ کے قوی ہاتھوں نے عملی بنایا۔ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی زندگی کے حالات ہم نے 'اقبال شناسی، در ہنر و اندیشہ محمد اقبال' نام کی کتاب میں لکھ دیئے ہیں اور یہاں موجودہ کتابچے کی مناسبت سے چند باتیں لکھی جارہی ہیں۔

جن محققین اور علمی شخصیتوں نے عالمِ اسلام اور سرزمینِ مشرق کے اس عظیم مفکّر کے بارے میں لکھا، وہ کہتے ہیں کہ اقبال نے دو مدرسوں میں تعلیم حاصل کی ہے۔ ایک عصری علوم و فنون کا مدرسہ جس میں انہوں نے ہند، انگلستان اور جرمنی میں تعلیم حاصل کی۔ اس مدرسے نے انہیں فلسفے، آدابِ تمدّن، معاشیات، سیاسیات اور قانون سے آگاہ کیا۔ انہوں نے انگریزی اور جرمن زبانیں تبحّر کی حد تک سیکھیں اور عصری علوم میں ممکنہ حد تک کمال پیدا کیا۔ شرق و غرب کے قدیم و جدید فلسفے میں ان کے کمال کا بھی یہی حال تھا۔ اس کے علاوہ وہ اہلِ مغرب کی زندگی اور افکار کے ناقد بھی تھے۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ علی الظاہر اقبال نے اس مدرسے کی تعلیمات سے دنیوی فوائد حاصل نہ کیے، مگر ان کا حرج بھی کچھ نہ ہوا۔ وہ ان علوم

سے فلسفے، معاشیات، ادبیات یا تاریخ کے پروفیسر ہو سکتے تھے، یا ایک صاحبِ شہرت مصنف، مگر وہ اپنی روش سے ان مقامات سے بہت آگے گذر گئے۔ وہ مشرقی بلکہ عالمی مسلمہ نوابغ میں سے ہیں۔ ان کی علمی اور ذہنی شہرت عالمگیر ہے، اور اُن کے اشعار اور افکار کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کے قلوب مسخر ہو گئے۔ لیکن یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ یہ فیضان انہیں ایک دوسرے مدرسے سے ملا ہے۔ جس کا ذکر ابھی نہیں ہوا۔ یہ وہی مدرسہ ہے جس نے عالمِ انسانی کے کئی نوابغ اور مشاہیر کو جنم دیا اور علم و دانش، اور اصلاح و اخلاق کے امور کو اِسی سے جلا ملی ہے۔ اس مدرسے میں تاریخ نہیں پڑھاتے، ہاں تاریخ کی تخلیق سکھاتے ہیں۔ یہاں فکری شرح نہیں کرتے، ایجادِ فکر کے طریقے بتاتے ہیں۔ یہاں گذشتہ آثار سے دلبستگی نہیں سکھاتے ہاں آثارِ نو کا ابداع سکھاتے ہیں۔ یہ مدرسہ ہر زمانے میں موجود رہا ہے۔ اُسے قدیم ترین مدرسہ کہا جا سکتا ہے مگر ہے کیا؟ ۔ یہ قلب اور وجدان کا مدرسہ ہے۔ یہ خدائی تربیت کا حامل مدرسہ ہے، اور اس میں غیر معمولی روحانی اور معنوی قوت ہے۔

7

اقبالؔ، اسی دوسرے مدرسے کے فارغ التحصیل ہیں۔ اس مدرسے نے اِن جیسے کئی بڑے مفکر پیدا کئے ہیں۔ اقبالؔ اپنے اشعار میں ہمیشہ اس مکتب و مدرسے کی خاطر رطب اللسان رہے ہیں، اور اپنی شخصیت کی نشوونما اور فکر و فن کی تکوین کو اسی مدرسے کا ممنونِ احسان جانتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر قلب و وجدان کا مکتب انہیں میسّر نہ ہوتا، تو وہ اپنے فکری وظائف سے آگاہ نہ ہو سکے تھے۔ اقبالؔ، وجدان کے مکتب کے اساتذہ کی تعریف کرتے رہے ہیں۔ آئیے دیکھیں کہ اس مکتب کے تار و پود کیا ہیں۔

ایمان و عشق

مکتبِ وجدان و قلب کی تعلیم و تربیت کا اہم ترین عامل وہ 'ایمان' ہے جو اقبالؔ کا ہمیشہ مربی اور راہنما رہا اور جس نے اس کی فکر و دانش مستنیر کیا۔ البتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اقبال کے ہاں 'ایمان' ایک خشک اور سادہ بات نہ تھی۔ یہ اس کی خاطر عشق و عقیدہ کا ایک آمیزہ تھا جس میں عقل و احساس، فکر و ارادہ، اور حُبِ اللہ یا بغضِ ماسوا اللہ کا عمل و دخل دیکھا جا سکتا ہے۔ اقبالؔ کو اسلام اور پیغامِ اسلام کی صداقت پر پورا ایمان تھا۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہ سچا محب اور عاشق تھا۔ اس کا ایمان تھا کہ اسلام ایک ابدی اور عالمی دین ہے اور اس دین کے زیرِ سایہ نہ ہونے کی صورت میں عالمِ انسانی

کبھی سعادت مند نہیں ہو سکتا۔ اس کا یہ بھی ایمان تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری اور پورے عالم انسانی کے نبی ہیں۔

اقبال کی شخصیت کی یہ ایک امتیازی شان ہے کہ عشق رسولؐ کی متاع سے مالا مال ہو کر انہیں مغرب کے خشک علم و تمدن سے کوئی قلبی سروکار نہ تھا۔ عشق دل کی حفاظت کا ایک بہترین پاسبان ہے، اور جس دل میں یہ جاگزین ہو گیا، اُسے خالی نہیں چھوڑتا اور خلافِ عشق کسی دوسرے عامل کو دل میں گھسنے بھی نہیں دیتا۔ اقبال نے اسی لیے فرمایا ہے کہ:

مغربی علوم کی چمک سے میری عقل خیرہ نہ ہوئی اور میری بصیرت ماند نہ پڑی۔ کیونکہ میں نے اپنی آنکھوں کو سرزمین مدینہ منورہ کے پوشیدہ پانی سے دھویا اور وہاں کی مٹی کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا رکھا ہے۔(۱)

اقبال فرماتے ہیں کہ:

8

میں مدتوں مغربی تعلیمات کے آتش کدے میں پڑا رہا، مگر جس طرح حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام آتشِ نمرود سے سالم باہر نکل آئے تھے، میں بھی سالم عقل کے ساتھ اس آتش کدے سے نکل آیا ہوں۔ ایک دوسرے مقام پر شاعر کہتا ہے:

اس زمانے کے فرعون مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی نیت سے گھات میں بیٹھے ہیں۔ مگر میرے پاس چونکہ 'یدِ بیضا' موجود ہے، اس لیے ان سے خائف نہیں ہوں۔ جس کسی کو عشق و محبت کا صدق میسّر ہو اور وہ خود شناسی سے بہرہ مند ہو کر اپنے مقام و مرتبہ کی حفاظت کر لے، وہ بادشاہوں اور امیروں سے بے نیاز رہے گا۔ میں نے اگر شاروں کو شکار کر لیا اور اپنی مشکلات آسان کر لیں، تو تعجب نہ کریں کیونکہ میں ایسے آقا و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہوں، جس کے پاؤں کے نیچے آنے والے ذرّاتِ خاک قدر و منزلت میں ستاروں سے برتر ہیں، اور اس کے پاؤں کے نیچے کی غبار میں عنبر سے بیشتر خوشبو ہے۔(۳)

ان ہی معانی کو پیشِ نظر رکھ کر شاعر مثنوی، اسرار خودی، میں، امتِ مسلمہ کی حیات کے ارکان کے بیان کے دوران کہتا ہے کہ نبی اکرمؐ کے ساتھ ابدی رابطے کی یہ صورت ہے کہ اُن کی سنت، ان کی تعلیمات اور ان کے عشق کے رنگ میں اپنے آپ کو جذب کر لیا جائے۔(۴) ایسے ہی عشق کے طفیل اقبال نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کی شاندار نعوت لکھی ہیں۔ مقامِ رسالت مآب کے ساتھ عشق

بھرے جذبات رکھتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

"ہم مسلمانوں کا دل نبی اکرمؐ کے عشق سے لبریز ہے۔ ہمارا شرف و افتخار بلکہ ہمارا منشائے حیات یہی عشق ہے۔ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تو کھجور کی چٹائی پر آرام فرماتے تھے۔ مگر آپؐ کے غلام تختِ کسریٰ کے صاحب بنے اور سلاطین کے تخت پر لیٹنے لگے۔ آپ کی آنکھیں رات بھر نیند سے محروم رہتی تھیں۔ آپ نے کتنی طویل راتیں غارِ حرا میں گذار دیں، تا اینکہ ایک صاحبِ قانون اور باانظم و نسق قوم وجود میں آئی۔ آپؐ کی آنکھیں نماز میں اشکبار رہتی تھیں مگر میدانِ غزا میں آپ کی تلوار کی دھار سے خون ٹپکتا تھا۔ آپؐ نے دنیا کے بند دروازوں کے قفل کو دین کی کلید سے کھولا۔ میرے والدین اُن پر قربان، کسی ماں نے ان ایسے بیٹے کو جنم نہ دیا اور عالم انسانی نے ان ایسا شریف عنصر نہ دیکھا۔ آپؐ نے دنیا میں ایک نئے عصر کا آغاز کیا اور نئی صبح طلوع فرمائی۔ آپ کی نظر میں بلند نسب اور پست خاندان والے مساوی تھے۔ آپؐ غلام کے ساتھ دسترخوان پر کھانا تناول فرماتے تھے۔ ایک بار حاتم طائی کی بیٹی جنگی قیدیوں میں شامل دست بستہ آپؐ کے حضور لائی گئی۔ لڑکی نے شرم کے مارے سر نیچے کیا ہوا تھا، اور نبی کریمؐ نے اپنے مبارک کندھوں پر سے چادر اٹھائی اور اس کے منہ پر ڈال دی۔ افسوس کہ آج کل ہم حاتم طائی کی اس بیٹی سے زیادہ عریاں اور بے چادر ہیں۔ اور دوسری اقوامِ جہاں کے روبرو ہم عریاں اور بدحال ہیں!۔ نبی رحمتؐ کا لطف دوستوں کے لیے اور غصہ دشمنوں کے لیے رحمت رہا ہے۔ آپؐ نے فتح مکّہ کے موقع پر درِ رحمت کھولا اور دشمنوں سے کہا کہ "لا تثریب علیکم الیوم" (۱۲:۹۲، یعنی آج تم پر کوئی گرفت نہیں) اور یہ بھی کہ تم سب آزاد اور بے گناہ قرار دیئے جاتے ہو۔ ہم مسلمان چین سے ہوں یا حجاز سے، ایران سے ہوں یا کہیں اور سے، ایک ہی سرچشمے کی جوئباریں ہیں۔ ہم متعدّد پھولوں کی طرح ہیں مگر ہماری خوشبو ایک ہے۔ ہم اپنے ہادیِ برحقؐ سے عشق کیوں نہ کریں، جبکہ کھجور کا خشک منبر

آپؐ کے دورِ فراق میں گریاں ہوگیا تھا! ۔ مدینہ منوّرہ کی سرزمین دنیا بھر سے افضل ہے ۔ مبارک ہے یہ مقام جہاں میرا محبوبؐ محوِ استراحت ہے ۔(۵)"

عمر کے اضافے کے ساتھ ساتھ اقبالؔ کے عشقِ رسولؐ میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ آخری عمر میں آپ آنحضرتؐ یا مدینہ منوّرہ کا نام سنتے ہی رو پڑتے تھے ، اور عشقِ رسولؐ کی حالت میں آپ عجیب الہامنا باتیں کرتے تھے ۔ ایسی باتوں میں شاعر کی ایک مناجات بھی ہے ۔ خدا سے التماس کرتے ہیں :

"خدایا ! تو سب جہانوں سے بے نیاز ہے ۔ مگر میں تیرا محتاجِ محض ہوں ۔ خدایا ! قیامت کے دن میری عفو فرما اور اگر میرا حساب لینا ناگزیر ہو تو نبی اکرمؐ کی آنکھوں سے یہ کام اوجھل انجام پائے ۔ آپؐ میرے گناہوں کو دیکھیں نہ ان کا سنیں ہیں بڑا شرمندہ ہوں کہ اُن (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اُمّت سے منسوب ہونے کے باوجود گناہگار ہوں ۔(۶)"

10

اقبالؔ کو اس ایمانی عشق سے لگاؤ تھا اور اس کا سرمایۂ افتخار اور مال و مکنت یہی تھا ۔ اُس کے نزدیک اعلیٰ ترین علمی معلومات ، عشق آمیز سادہ ایمان سے فروتر ہیں ۔ آپ کی ایک دوبیتی ہے : اس درویش کے دل و دماغ میں انقلاب لانے والے عناصر صرف دو جملے ہیں ، جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صورت میں کلمہ طیبہ بنتے ہیں ۔(۷) ایک شعر میں اقبالؔ فرماتے ہیں :

علما و فقہا حجازی اور عربی لغات کو جمع کرنے میں قارون ایسے خزانہ دوست بنے ہوئے ہیں ۔ مگر اس قلندر کی متاع لا الٰہ کے دو حرف ہی ہیں ۔(۸)

بہر حال ، اقبال کی متاعِ علم و دانش ، عشق سے ممزوج ہے ۔(۹) صاحبِ نظر تاریخ دان اور ادیب جانتے ہیں کہ لطیف اشعار ، عمیق علم ، نئے معانی اور ممتاز شخصیتوں کو عشق نے ہی جنم دیا ہے ۔ جس کسی میں عشق کی حرارت نہ ہو ، وہ گوشت پوست اور خون کا ایک بے جان قالب ہے ۔ اسی طرح جس قوم میں حرارتِ عشق نہ ہو ، وہ بھیڑ بکریوں کے ایک ریوڑ کے مشابہ ہے ۔ پھر جو شعر و نغمہ عشق سے معرّیٰ ہو ، وہ موزوں اور مقفّیٰ کلام ہونے کے علاوہ اور کیا ہے ؟ جس کتاب میں درسِ عشق نہ ہو ، وہ کالے کئے کاغذوں کا مجموعہ ہے اور بس ، جس عبادت میں عشق کا سرور نہ ہو ، وہ بے جان رسوم و آداب کا نمونہ فراہم کرے گی ۔ جس تہذیب و تمدن میں بوئے عشق نہ ہو ، وہ ایک بے حقیقت تمثیل قرار پائے گا ، جس مدرسے ، حکومت

یا معاشرے میں عنصر عشق نہ ہو، اس میں کوشش و محرک کے نمونے مفقود ہوں گے۔ اسی طرح جس و
انسانی میں طوالت عشق مفقود ہوں، اس میں اعلیٰ ذوق، استعداد اور حسن آمیز جدت طرازیاں نہ ملیں گ
بلکہ افسردگی، پژمردگی، جامدپن اور تنبلی اس پر چھائی رہے گی۔ عشق واقعی طور پر بہت بڑی نعمت
ہے۔ یہ نعمت زبان پر حیرت انگیز سخن جاری کرتی ہے۔ غیر معمولی شجاعت پیدا کر دیتی ہے اور علم
ادب کے گراں بار آثار تخلیق کروا دیتی ہے۔ عشق کے نقوش جاودانی ثابت ہوتے ہیں۔ یہ عشق ہی ہے
جو آب و خاک اور سنگ و خشت سے مل کر مسجد قرطبہ، قصر الزہرا، تاج محل اور مسجد شیخ لطیف ا
وغیرہ جیسے غیر فانی نقوش پیدا کرتا ہے۔ بہر صورت، ادب، ہنر اور تخلیق وغیرہ کے میدانوں میں
وہی نقوش ابدی ہیں، جن میں عشق کی رنگ آمیزی ہو۔[۱] عصر حاضر کے تمدن نے عشق و جنون کی
قوی سے بے توجہی کر کے عالم انسانی پر ایک ظلم کیا ہے۔ منافع خوری، سود جوئی، مادیت اور جنس
پرستی نے اس لئے استیلا حاصل کر لیا ہے کہ عشق کو ضعیف اور نابود کر دیا جا رہا ہے۔ اب مادی ا
جنسی عشق کو، وجدانی عشق، کا مقام دیا جانے لگا ہے۔ عصر حاضر کے نظام تعلیم و تربیت میں عاطفۂ عشق
محبت کی جگہ کہاں ہے؟ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دنیا، ایک بے روح کل کی طرح حرکت کر رہی ہے
مگر اس میں نفس و وجدان کے علائم کافور ہوتے جا رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ بہر حال اس نکتے کو
پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ عشق کے ہمیشہ فروزاں رہنے والے شعلوں نے ہی وجدان و قلب اقبال
کو ملتہب اور مستنیر کیے رکھا ہے۔ مگر ان کی شخصیت کو مؤثر بنانے والے دیگر عوامل بھی ہیں۔

قرآن مجید

11

ایک دوسرا عامل اور مربی جس نے اقبال کی شخصیت کے عقلی اور فکری پہلوؤں پر خاص اثر ڈالا
قرآن مجید ہے۔ اقبال کے قرآن مجید پڑھنے کا اسلوب دوسروں سے متفاوت رہا ہے، اور اس ضمن
میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ اقبال نے کہا ہے:

"میں ہر روز قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا اور میرے والد ایک بار یہ دیکھ کر کہ میں
تلاوت میں مشغول ہوں، پوچھنے لگے کہ 'کیا پڑھ رہے ہو؟'۔ والد نے کئی بار اسی
طرح پوچھا۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ آپ جو یہ جانتے ہوئے کہ میں تلاوت قرآن

میں مشغول ہوں، پوچھتے رہتے ہیں کہ میں کیا پڑھتا ہوں، اس میں ضرور کوئی راز ہوگا۔ آخر بتا دیجئے کہ اس میں کیا راز ہے؟ والد نے فرمایا: "بیٹا، تمہیں یہ بتانا مقصود تھا کہ قرآن مجید کو اس طرح تلاوت کیا کرو کہ گویا وہ تیرے قلب پر نازل ہو رہا ہے، اس دن کے بعد میں قرآن مجید کی تلاوت ایک دوسرے نقطۂ نگاہ سے کرنے لگا اور تفہیم معانی کی طرف متوجہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ انوارِ قرآن کو میں نے ایک خاص شیوے سے اقتباس کیا اور اس کتاب کے موتی میں نے اشعار کی لڑیوں میں پرو دیئے۔"[۱۱] 12

اقبال زندگی کے آخری ایام تک بحرِ قرآن میں غواصی کرتے رہے اور اس سے نئی دانش اور نئے معانی کے کسب و اکتساب میں مشغول رہے۔ انہوں نے اس زندہ کتاب پر جتنا غور کیا، اُس حقیقت کو بیشتر مشاہدہ کیا کہ یہ ابدی کتاب تمام علوم و فنون کا گنجینہ اور ہر زمانے کے مسائل کا صحیح حل پیش کرتی ہے۔ نیز یہ کہ ظلماتِ زندگی میں روشنی کا مینارہ یہی کتاب ہے۔ وہ مسلمانوں کی حالت پر انتقاد کرتے رہے ہیں کہ وہ عملی زندگی میں قرآن مجید سے راہنمائی نہیں لیتے۔ ایک دو بیتی میں فرماتے ہیں:

"اے مسلمان، تو دوسروں کی خرد کے تابع ہے اور قرآن مجید سے مستفیض نہیں ہوتا۔ تجھے اس منبعِ حیات و توانائی، کتاب سے کوئی سروکار نہیں، ہاں، موت قریب نظر آئے تو سورہ یٰسٓ پڑھ کر بآسانی موت کی آغوش میں چلے جاتے ہو۔"[۱۲] مقصد یہ کہ مقامِ حیرت ہے کہ جو کتاب زندگی بسر کرنے کے اصول سکھاتی ہے، اُسے مسلمان بآسانی مرجانے کی خاطر پڑھتا ہے۔"

یہ قرآن مجید پر غیر معمولی توجہ کا نتیجہ تھا کہ اقبال کے نزدیک کسی دوسرے مسلمان کو پیش کرنے کی خاطر قرآن مجید کے سوا کوئی دوسرا ارمغان بھی نہ تھا، خصوصاً کسی مقتدر حاکم یا امیر کے لیے۔ نادر خان افغان کی حکومت کے دوران اقبال جب افغانستان گئے، تو اس بادشاہ کو قرآن مجید کی ایک جلد پیش کی، اور فرمایا تھا:

"اہلِ حق کا سرمایہ یہی کتاب ہے۔ پورا انتظامِ حیات اور ہر چیز کی ابتداء و انتہا اسی میں مضمر ہے، اور اسی کتاب کی قوت سے حضرت علیؓ نے درۂ خیبر کو کھولا تھا:

اِس پر افغانستان کے بادشاہ[۱۳] کے رو پڑے اور کہا: کیوں نہیں، اس نادر خان پر ایسا زمانہ گذرا ہے جب قرآن مجید کے علاوہ اس کا کوئی مونس و غمخوار نہ تھا اور اُسی کتاب نے میری جملہ مشکلات[۱۴] حل کی ہیں۔ ہدیۂ قرآن پر اس گفتگو کے بعد نادر خان مرحوم اور اقبال مغفور، ہم آغوش ہوئے تھے۔"

بہرحال، قرآن مجید پر اقبال کے ایمان کا ایک دوسرا ہی حال تھا اور اس کتاب کی توصیف میں آپ نے بہت کچھ کہا ہے، جیسے:

13

نقشِ قرآں چونکہ بر عالم نشست — نقشہائے کاہن و پاپا شکست
فاش گویم آنچہ در دلِ مضمر است — ایں کتابی نیست، چیزِ دیگر است
چون بجاں در رفت جاں دیگر شود — جاں چو دیگر شد، جہاں دیگر شود
اندر او تقدیر ہائے شرق و غرب — سرعت اندیشہ پیدا کن چو برق
با مسلمان گفت: 'جاں بر کیف بند' — 'ہر چہ از حاجت فزون داری بدہ'

خُودی

اقبال کے نظامِ فکر و عمل کا تیسرا اہم عامل 'خودی' ہے جس کا مفہوم عرفانِ ذات اور خود شناسی ہے۔ اُن کی ایک نظم کا خطاب اپنی ذات اور سب انسانوں سے ہے، اور اس میں فرماتے ہیں:

"اے انسان، اپنے قلب کے اعماق میں غوطہ زنی کر اور اپنی ذات کے نہاں خانے کی ایسی تلاش کر کہ وہاں سے رازِ حیات کا گوہر مل پائے۔ تو نے اگر کسی دوسرے کا کام نہ کیا یا من و دیگراں کو نہ پہچانا، تو حرج نہیں۔ لیکن اگر اپنے آپ کو نہ پہچانو، تو سراسر ظلم و نادانی ہوگی۔ اپنے نفس اور ذات کا حق بہت مقدم ہے۔ ذرا غور کر کہ عالم جسم کیا ہے، اور عالم روح و وجدان کیا ہے۔ عالمِ جسم تجارت اور قوت نمائی ہے۔ یہ مکر و حیلے کا میدان ہے۔ مگر عالم روح و وجدان، حرارت، فکر اور محبت و عشق کا مظہر ہے۔ دل کی دولت (خودی) دائمی ساتھ دیتی ہے مگر جسم و مادہ کی دولت سائے کی مانند ہے۔ جس کی زوال پذیری اور ناپائیداری مسلّم ہے۔ دل کی

دنیا کی قلمرو میں لیڈرلی استعمار پسندوں کا تسلط ہے نہ مذہبی اختلافات کا کوئی شائبہ،
ایک بادانش شخص نے مجھے کہا: تو جب دوسروں کے آگے سر بسجود اور خم ہو جائے،
تو تیرا جسم باقی رہے گا نہ قلب و وجدان، میں یہ گفتار سن کر شرم کے مارے پانی
پانی ہو گیا[۱۵]

اقبال خودی یا معرفت نفس کے زبردست مبلغ تھے۔ فرماتے ہیں:

"جسور، باعزم اور صاحب خودی شخص مقام بادشاہی کا حامل بن سکتا ہے۔[۱۶]"

ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں:

14

"عشق و محبت کے آداب اور اپنی استعدادوں کا شناسا شخص غلام ہو تو بھی بادشاہوں
کے اسرار سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو درویش اخلاق کی رو سے شیرانِ خدا
میں شامل ہو جائے۔ وہ دنیا کے عظیم بادشاہوں سے بھی افضل اور برتر ہے۔
خودشناس جوانمردوں کے اخلاق میں جرأت و صداقت نظر آتی ہے۔ خدا کے یہ
سچے[۱۷] بندے لومڑی کے مکر و حیلے کو کیا جانیں؟"

خودی کے ذریعے اقبال انسان کے ایسے بلند مقام کے حصول کے مبلغ ہیں۔ جس میں کبر و غرو
مگر مادی و معنوی حریت و آزادی کا دور دورہ ہو۔ جس نظم کے اشعار کی طرف اوپر اشارہ ہوا، اس
ایک شعر یوں ہے:

"میرے دوست! اس رزق و روزی سے، جس میں میرے پر و بال کا صفایا کر
دیا جائے اور پرواز سے محروم کر دیا جاؤں، میرے موت بہتر[۱۸] ہے۔"

خودی اور خودشناسی کے ایسے ہی مضامین اقبال کے دیگر اشعار میں بھی بیان ہوئے ہیں، چنا

"خدایا تیرا شکر ہے کہ مجھے ایک بے ارزش متاع نہیں بنایا اور میں ملوک و سلاطین
کا غلام نہ قرار پایا۔ حکمت و فراست کی نعمتوں کے لیے شکر گزار ہوں، اور شکر مزید یہ کہ
ان نعمتوں کو میں نے بادشاہوں[۱۹] کے ہاں نہیں بیچا۔"

"میں غریب اور فقیر ہوں، مگر بے نیاز اور بلند نظر[۲۰]"

تو اگر اپنے روزی دینے والے کو نہ پہنچانے تو بادشاہوں کا درباری اور ان کا کاسہ لیس بن کر

کا مصور اور اس کے بانیوں میں شامل ہو؛ اس معجزہ آمیز پیغام کی رو سے تشکیلِ پاکستان کی کٹھن گھاٹیاں آسانی سے عبور ہو گئیں۔ اس کے علاوہ برصغیر کے مسلمانوں کے افکار پر اقبال کے غیر معمولی اثرات رہے ہیں۔ بہرحال، اس کا درس 'خودی' جو 'بے خودی' (معاشرے اور قوم کی خدمت) ثمار ہے، بے حد اہم ہے وہ شرفِ انسانی کا معلّم ہے تاکہ لوگ خود شناسی سے محروم رہ کر اپنے مصائب و آلام کی شکایت یوں ہی خدا سے نہ کرتے رہیں۔ آیہ شریفہ ہے: وما ظلمهم الله ولكن كانوا انفسهم يظلمون (۱۷)؛ ۳۰

(یعنی خدائے تعالیٰ نے انسانوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے نفوس پر ظلم کرتے رہے ہیں۔)

مشاہدۂ نکتہ رس 15

شخصیتِ اقبال کا چوتھا عامل اُن کا 'مشاہدۂ نکتہ رس' ہے۔ وہ دوسروں کی لکھی ہوئی کتابیں ہی نہیں پڑھتے بلکہ جمالِ فطرت کو بے نقاب دیکھتے رہے اور 'فرع' کی بجائے 'اصل' پر توجہ رکھی۔ وہ نسیمِ سحری کے رازدان تھے اور آہِ سحری کے رسیا۔ نیاز و مناجاتِ سحری ان کا معمول رہا ہے۔ ان ہی اشراقات اور مشاہداتِ قلبی کے ذریعے انہوں نے نئے تجربے محسوس کئے اور نئے افکار تخلیق فرمائے۔ کتنا عمدہ رہا کہ ان کے مشاہدات بزبانِ شعر ہم سب تک پہنچ گئے۔ قابلِ توجہ امر ہے کہ اقبال سحر خیزی اور راز و نیاز سحرگاہی کو اپنا سرمایۂ خاص جانتے ہیں۔ بڑے بڑے عابد اور زاہد بھی سحر خیزی کی دولت سے ہی کچھ حاصل کر سکے اور اقبال بھی اس وقتِ مخصوص کی اہمیت بار بار بیان کرتے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

> "تو فرید الدین عطار کی معرفت، جلال الدین رومی کی حکمت یا محمد غزالی کے علم و ذکاوت کا حامل یا علومِ حکمت میں مناظرہ باز بنے، آہ و نالۂ سحرگاہی اگر خود نہ کرے تو کچھ نہ ملے گا۔ (۲۵)"

اقبال کو خدا نے سحر خیزی کی دولت دے رکھی تھی اور وہ کئی اشعار میں اس موہبت کا ذکر کرتے ہیں، مثلاً:

> "انگلستان میں موسمِ سرما کی ہوا سخت کاٹنے والی اور شمشیر کی دھاری کے مشابہ تھی، لیکن وہاں بھی میں نے سحر خیزی کی نعمت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ (۲۶)"

غریب ہی رہے گا، لیکن اگر اس رازق حقیقی کو پہچان لے تو بڑے سے بڑے بادشاہ تیرے محتاج نظر آئیں گے۔ بے نیازی اور استغنا، بادشاہی کا مظہر ہے۔ لیکن شکم پری، روح و وجدان کی مالک ہے اب دیکھ لے کہ قلب (۲۱) کے تقاضوں کا لحاظ رکھنا مفید ہے یا شکم پری؟ سب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اقبال کو قلب کے تقاضے ہی عزیز رہے ہیں۔ چنانچہ "یوم اقبال" کی مناسبت سے ایک دولت مند شخص کے بھیجے ہوئے چیک کو انہوں نے لوٹا دیا اور لکھا تھا کہ:

"فقیر و درویش کی غیرت اجازت نہیں دیتی کہ میں دولت مندوں کا صدقہ لے لوں۔" (۲۲)

اقبال مرحوم کو 'خودی' کے تحفظ کا سخت پاس تھا۔ ایک بار حکومتِ انگریزی نے انہیں افریقہ کے کسی خطے کا حاکم بنا کر بھیجنا چاہا، مگر انہوں نے اس خیال سے اس پیش کش کو رد کر دیا کہ ان کی بیوی کو سرکاری تقاریب میں بے حجاب و بے پردہ ہونا پڑے گا۔ فرمایا:

"اگر حاکم کی بیوی کو مجبوراً بے حجاب ہونا پڑے، تو میرے نزدیک یہ دین اور اصولِ شرافت کی توہین ہوگی۔" (۲۳) 16

اس خود شناسانہ نقطۂ نگاہ کا نتیجہ تھا کہ اقبال نے شاعرانہ استعداد کو لایعنی موضوعات پر تلف نہ کیا اور اپنے اہم فرائض ابلاغ پر توجہ رکھی۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ ابنائے عصر کی شکایت کرتے نظر آتے ہیں:

"پیغامبر اکرمؐ، آپؐ کے حکم کے مطابق میں نے اُمتِ مسلمہ کو تکوینِ حیات کے راز بزبانِ شعر بتلائے اور انہیں حیاتِ تازہ دینے کی کوشش کی، مگر کچھ معاصرین کی یہی خواہش رہتی ہے کہ میں مادۂ تاریخ وفات نظم کرتا رہوں۔" (۲۴)

اقبال نے اپنی شاعرانہ استعداد کو، دوسرے شعراء کی بے معنی شاعری کے علی الرغم، مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور خصوصاً مسلمانانِ ہند کی بیداری کے لیے وقف کیا۔ اقبال عربی، فارسی، انگریزی اور جرمن زبان اور ادبیات میں مجتہدانہ نگاہ رکھتے تھے۔ ان کا مطالعہ غیر معمولی وسیع تھا، اور فکر دقیقہ رس پائی تھی۔ اس لیے ان کے فلسفہ و حکمت نے اسلام پر ایک نئی نگاہ ڈالنے کی مدد کی، اور زبانِ شعر کے ذریعے ان کے پیغام نے دلوں کو مسخر و متاثر کیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ اقبال کے شعر و ادب نے تشکیلِ پاکستان کے ایک مؤثر ترین عامل کا کردار ادا کیا۔ اقبال کے سوا دوسرا کونسا شاعر ہے جو کسی ملک

وہ اس نعمت و موہبت کے قدردان تھے، اس لیے ایک جگہ دعا کرتے ہیں:

"خدایا، میری لذتِ آہِ سحر مجھے میسّر رہے۔ اس سے مجھے بہرہ مند کیے رکھ اور باقی وسائل کے چھن جانے کی مجھے پرواہ نہیں[۲۷]"

ایک دوسرے مقام کے دعائیہ اشعار ہیں:

"خدایا! میرے نالہ سحر اور سوز و گداز سے مسلمان نوجوانوں کو بھی بہرہ دے۔ گریۂ سحر گاہی سے ان کے دلوں کو اضطراب دے، اور ان کے وجود میں نسیم[۲۸] حیات کی خوشبو داخل فرما۔"

پھر ارشاد ہوتا ہے: 17

"اے خدا! میرے نوجوانوں کے جگر کو تیرِ درد کا ہدف بنا اور انہیں دین کا سوز و درد نصیب کر۔ اُن کے دلوں کے مقاصد کے جراحت لگا اور خفتہ آرزوؤں کو اُن کے دلوں میں بیدار فرما۔ الٰہی، تجھے تیرے آسمان کے ستاروں کی قسم جو کبھی سوتے نہیں اور تجھے قیام و سجود میں راتیں گزارنے والوں کا واسطہ، کہ نوجوان مسلمانوں کے دل کا سوز و گداز دے اور میرا عشق اور میری فراست و بصیرت بھی انہیں عطا فرما۔[۲۹]"

مندرجہ ذیل مفہوم والے اشعار بھی اسی قبیل کے ہیں:

"الٰہی! مسلمان نوجوانوں کو میرا آہ سحر گاہی عطا کر، اور جو بال و پر تو نے مجھے بخشے، وہ انہیں بھی دے، تاکہ پرواز کریں۔ اور معنوی شکار کی طرف توجہ دیں۔ الٰہی! میری یہی ایک آرزو ہے کہ میرے نور بصیرت و فراست کو تو پھیلائے اور بالخصوص اسے مسلمانوں میں تقسیم فرما دے[۳۰]"

مثنوی رُومی

مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی شریف کو مطالعۂ اقبال میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ رومی کے عصر میں یونانی فلسفے کا پورے عالم اسلام پر خاص استیلا تھا۔ رومی، وجدانی اور روحانی قوی کے طرفدار کے طور پر ظاہر ہوئے۔ ان کا مشن بڑا کامیاب رہا کیونکہ ان کے کلام

سوز و ساز میں ہے۔ نیز فرمایا:

"رومی کی راہبری اور راہنمائی میں میری بصیرت بڑھی اور اسی نے میرے سینے کو علم و دانش کے ایک بحر کی حد تک وسعت دی ہے"[31]

ایک شعر میں اقبال فرماتے ہیں:

"رومی کی فکری مصاحبت نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا کہ ایک موسیٰ کلیم (علیہ السلام) ایسے ہزار فلسفیوں پر غالب ہیں۔ جنہوں نے سر جھکائے ہوئے ہیں اور صرف غور و فکر ہی میں لگے ہوئے ہیں۔"[32]

19

"اقبال فرماتے ہیں کہ ان کی دانش و بینش نے بیسوی صدی عیسوی میں وہی خدمت انجام دی جو عرفان رومی نے ساتویں صدی ہجری / تیرھویں صدی عیسوی میں فلسفۂ یونان کا زور توڑنے کے ضمن میں انجام دی تھیں۔[33] دونوں کی کوشش معنویت اور روحانیت کی سربلندی کے لیے وقف رہی۔ مگر اقبال کو اعتراف ہے کہ ان کی خدمات رومی کی مساعی سے کمتر درجے کی ہیں"۔[34]

ایک جگہ رومی ثانی کی خاطر یوں آرزو کرتے ہیں:

"ایران کی سرزمین کی طبعی خصوصیات وہی رہیں، تبریز بھی، جو رومی کے مرشد کا مولد و وطن تھا، ویسے ہی ہے مگر کوئی دوسرا رومی پیدا نہ ہو سکا۔"[35]

مگر اقبال سرزمینِ ایران سے مایوس نہیں بلکہ اپنی امید کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

"اگر اس سرزمین میں اشکوں سے آبیاری کی جائے، تو یہاں پاک و پاکیزہ نباتات نمودار ہونگی اور خیر و برکت بھری فصلیں دیکھی جاسکیں گی۔"[36]

انسوس کہ اقبال آج زندہ نہیں، ورنہ تبریز کے ایک نامور شاعر، شہریار، کے مندرجہ ذیل[37] اشعار انہیں خوش و خرم کرتے:

الشتین[38] یک سلام ناشناس البتہ می بخشی
دوان درسایہ روشنہای یک مہتاب خلیائی
نسیم شرق میآید شکنج زلفہا افشان

فشرده زیر بازو شاخه های نرگس و مریم
از آنهائی که در سعدیهٔ شیراز میرویند
زچین موج دریا ها و پیچ و تاب جنگلها
دوان میآید و صبح سحر خواهد بسر کوبد
درخلوت سرای قصر سلطان ریاضی را
درون کاخ استغنا، فراز تخت اندیشه
سراز زانوی استغراق خود بردار
باین مهمان که ناهنگام و ناخوانده است دربکشا
اجازه ده که با دست لطیف خویش بنوازد
بزمی چین پیشانی افکار بلندت را
به آن ابریشم اندیشه بایت شانه خواهد زد
بنوع شعر مشرق نیز با آئین درویشی
بکف جام شرابی از سبوی حافظ و خیام
بدنبال نسیم از در رسیده می زند زانو
که بوسد دست پیر حکمت دانای مغرب را
انشتین آفرین بر تو
خلاء با سرعت نوری که دارد در تور دیدی
زمان در جاودان پی شد مکان در لامکان طی شد
حیات جاودان کز درک بیرون بود پیدا شد
بهشت روی علوی هم که دین می گفت جز این نیست
انشتین نازشست تو
نشان دادن که جرم و جسم چیزی جز انرژی نیست
اتم نا میشکافد جز و جمع عالم بالاست

بچشم موشکافِ اهلِ عرفان و تصوّف نیز
جهان ما حباب روی چین آب را مانَد
من ناخوانده دفتر هم که طفل مکتب عشقم
جهان جسم موجی از جهان روح می بینم
اصالت نیست در ماده

انشتین صد هزار احسن ولیکن صد هزار افسوس
حریف از کشف و الهام تو دارد بمب می سازد
انشتین اژدهای جنگ
21 جهنم کام وحشتناک خود را باز خواهد کرد
دگر عشق و محبّت از طبیعت قهر خواهد کرد
چه میگویم ؛
مگر مهر و وفا محکوم اضمحلال خواهد شد
مگر یک مادر از دل ، وای فرزندم، نخواهد گفت
انشتین بغض دارم در گلو دستم بدامانت
بنوع خود بکار التیام زخم انسان کن
سر این ناجوانمردان سنگین دل براه آور
نژاد کیش و ملیت یکی کن ای بزرگ استاد
زمین یک پایتخت امپراتوری وجدان کن
تفوق درجهان قائل مشو ، جز علم تقوی را
انشتین نامی از ایران ویران هم شنیدستی
حکیما محترم می دار مهد ابن سینا را
باین وحشی تمدّن ، گوش زد کن حرمتِ ما را
انشتین ، پا فراتر نه

جہاں عقل ہم طے کن
کنار ہم بین موسیٰؑ و عیسیٰؑ و محمدؐ را
کلید عشق را[۳۹] بردار و حل این معمّا کن
انشتین باز ہم بالا، خدا را نیز پیدا کن

22

بہرحال، شخصیتِ اقبالؔ کے پانچ نمایاں عوامل یہی تھے جو بیان ہوئے اور اس کے دوگانہ مکتب و مدرسہ کا حال بھی لکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ صوری تعلیم و تربیت کے مقابلے میں قلب و وجدان کا مدرسہ فائق اور برتر ہے۔ لیکن اقبالؔ نے دونوں مدرسوں سے استفادہ کیا۔ ایک نے انہیں ضروری لغات اور علمی معلومات فراہم کیں، اور دوسرے نے لغات اور معلومات کا استعمال،

لیکن یہ اس دوسرے مدرسے کا فیضان ہے کہ پختہ ایمان، عقلِ سلیم، اخلاق اور فکرِ صحیح سے بہرہ مند ہو کر اقبالؔ نے دنیا کو عموماً اور مشرقیوں اور مسلمانوں کو خصوصاً درسِ بیداری دیا اور انہیں اپنے صحیح فلسفہ اور عرفان سے روشناس کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہندو نے فخریہ انداز میں کہا ہے:

"یہ ہندوستان ہی ہے جس نے عالمِ انسانی کو ایک اقبالؔ دیا ہے۔"

میرا ارادہ نہ تھا کہ یہ مقدمہ اتنا طویل ہو جائے، اور کتابچے کے قاری کو بھی اتنی طویل بحث کا انتظار نہ رہا ہوگا۔ لیکن مَیں دَورِ جوانی کی حیرت زدگی اور سرگردانی میں ہی اقبالؔ مرحوم کی راہبری سے بہرہ مند رہا ہوں، اور چونکہ یہ عظیم نابغہ مناسب طور پر ابھی ہمارے ہاں پہچانا نہیں گیا، اس لیے میری یہ توضیحات بھی ہنوز ناکافی ہیں۔ توقع ہے کہ ہمارے ادبیات، الٰہیات اور شعبۂ تعلیم کے اساتذہ اقبال کو بیشتر پڑھ کر اس کے متعارف کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ نوجوان خصوصاً اس کے بلند و برتر افکار سے بہرہ مند ہوتے رہیں۔

بعد کے صفحات میں ہم پروفیسر ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ڈائرکٹر اقبال اکادمی پاکستان کے ایک انگریزی مقالہ، فلسفہ اقبال، کا فارسی ترجمہ 'اندیشہ ہائے اسلامی اقبال'، کے عنوان سے پیش کر رہے ہیں۔ یہ مقالہ اقبال اکادمی کے مجلہ میں شائع ہوا تھا[۴۰]۔ مترجم کو توقع ہے کہ اس کتابچے کے ذریعے ایران کے اربابِ اختیار جو علمی و دینی امور کے مسئول ہیں، فلسفۂ اقبال کے بعض ایسے پہلوؤں پر بحث و تمحیص کا سلسلہ شروع کروا سکتے ہیں جن کے ذریعے آج کے طلبہ اور کل کے معمارانِ قوم، اس پرفیض و برکت سرچشمے سے بہرہ مند ہو سکیں۔

مترجم کی توضیحات 23

لیکن کئی مواردمیں انہوں نے اشعار کے مفہوم میں خاصے تصرفات بلکہ تغیرات کر دیئے، جن کے اشارات توضیحات میں موجود ہیں۔ اصولی طور پر اقبالؔ کے اشعار کے مفہوم لکھ دینا مفید ہے کیونکہ علامہ مرحوم کے کلام کو درست سیاق میں سمجھ لینا آسان نہیں ہے۔

۱:۔ خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ — سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف (ب ج)

۲:۔ طلسمِ عصرِ حاضر را شکستم — ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانندِ ابراہیمؑ — بہ نارِ او چہ بی پروا نشستم (ا ج)

۳:۔ رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا
عجب کیا گر مہ و پرویں میرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سرِ خود را
وہ دانائے سبل، ختم الرسلؐ، مولائے کلؐ جس نے
غبارِ راہ کو بخشا، فروغِ وادیٔ سینا (ب ج)

۴:۔ کیفیت ہا خیزد از صہبای عشق — ہست ہم تقلید از اسمای عشق
عاشقی؛ محکم شود از تقلیدِ یار — تا کمند تو شود یزدان شکار

۵:۔ در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است — آبروی ما ز نامِ مصطفیٰؐ است
بوریا ممنونِ خوابِ راحتش — تاجِ کسریٰ زیرِ پای اُمتش
در شبستانِ حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشمِ او محرومِ قوم — تا بہ تختِ خسروی خوابید قوم
وقتِ ہیجا تیرِ او آہن گداز — دیدۂ او اشکبار اندر نماز
از کلیدِ دین درِ دُنیا کشاد — ہمچو او بطنِ اُم گیتی نزاد
در نگاہِ او یکی بالا و پست — با غلامِ خویش بر یک خوان نشست

در معانی پیشِ آن گردون سریر　　　دخترِ سردارِ طیٔ آمد اسیر
پای در زنجیر و ہم بی پردہ بود　　　گردن از شرم و حیا خم کردہ بود
دخترک را چون نبیؐ بی پردہ دید　　　چادرِ خود پیشِ روی او کشید
ما ازان خاتونِ طیٔ عریاں تریم　　　پیشِ اقوامِ جہان، بی چادریم
لطف و قہر او سراپا رحمتی　　　آن بیاران، این با عدا رحمتی
آن کہ بر اعدا در رحمت کشاد　　　مکّہ را پیغامِ «لا تثریب» داد
از حجاز و چین و ایرانیم ما　　　شبنمِ یک صبحِ خندانیم ما
چو گلِ صد برگ مارا بو یکی است　　　اوست جانِ این نظام و او یکی است
من چہ گویم از تولایش کہ چیست؟　　　خشک چوبی در فراقِ او گریست
خاکِ یثرب از دو عالم خوش تر است　　　ای خنک شہری کہ آنجا دلبر است

۶۔ تو غنی از ہر دو عالم، من فقیر　　　حرفِ اعتذارِ من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر　　　از نگاہِ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر

نیز : 24 (دیکھیں انوارِ اقبال)

بہ پایاں چوں رسد این عالمِ پیر　　　شود بی پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہؐ مارا　　　حسابِ من ز چشمِ اوؐ نہاں گیر

۷۔ مہر و مہ گردد ز سوزِ لاالٰہ　　　دیدہ ام این سوز را در کوہ و کہ

لیکن دو بیتی نامعلوم کونسی ہے؟

۸۔ قلندر جز دو حرفِ لاالٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا (بج)

۹۔ ز شعرِ دلکشِ اقبالؔ می تواں دریافت
کہ درسِ فلسفہ می داد و عاشقی ورزید (پ م)

۱۰۔ مقدمہ نگار کی یہ ترجمانیٔ عشق، تصانیفِ اقبال سے ماخوذ ہے۔ ہاں مسجدِ شیخ لطف اللہ اصفہان کا اضافۂ بیان و ذکر ملتا ہے!

۱۱۔ یہ بیان کسی قدر تفاوت کے ساتھ کئی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ ارمغانِ حجاز

بہ بندِ صوفی و ملا اسیری — حیات از حکمتِ قرآن نگیری

ز آیاتش ترا کاری جز این نیست — کہ از یٰسینِ، او آسان بمیری

۱۳۔ جنرل نادر خان افغان جو جدید افغانستان کے بانی ہیں، امیر امان اللہ خان کی افواج کے سپہ سالار رہے ہیں۔ انہوں نے، اپنے بھائی سردار شاہ ولی خان کی مدد سے، انگریزوں سے جنگ کی اور انہیں درۂ خیبر سے پیچھے دھکیل دیا تھا۔ خدا اُن کی مغفرت کرے کہ افغانستان کی آزادی ان کی شمشیر کی مرہونِ منت ہے۔ اور تاریخ اسلام میں وہ صلاح الدین ایوبی کے مقام و مرتبے کے سزاوار ہیں

(سید غلام رضا سعیدی)

۱۴۔ در حضور آن مسلمانِ کریم — ہدیہ آوردم ز قرآنِ عظیم

گفتم، این سرمایۂ اہلِ حق است — در ضمیر او حیاتِ مطلق است

اندر و ہر ابتدا را انتہاست — حیدرؓ از نیروی او خیبر کشاست

نشۂ حرفم بخونِ او دوید — دانہ دانہ اشک از چشمش چکید

گفت! نادر در جہاں بی چارہ بود — از غمِ دین و وطن آوارہ بود

غیر قرآن غمگسارِ من نبود — قوتش ہر باب را برمن گشود" (مسافر)

۱۵۔ اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن اپنا تو بن

من کی دنیا! من کی دنیا سوز و مستی، جذب و شوق

تن کی دنیا! تن کی دنیا، سود و سودا، مکر و فن

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں

تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج

من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن